بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

عبدالباقی

۲۵ر فروری کے الجمعیۃ میں پہلے صفحہ کی پہلی اور نمایاں خبر میں عبدالباقی مدیر ہفت روزہ "کاروانِ وطن" کے حادثۂ وفات کی اطلاع اچانک پڑھی تو جی دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اب ادھر تیس بتیس برس سے تو ہم دونوں ایسے تھے کہ گویا کبھی رسم و راہ ہی نہیں تھی۔ برس دو برس میں راہ چلتے یا کسی پارٹی یا جلسہ میں مڈبھیڑ ہو گئی تو رسمی طور پر علیک سلیک اور مزاج پرسی ہوئی اور ہم دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ چنانچہ اسی نوع کی مرحوم سے آخری ملاقات پچھلے دنوں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر ہوئی تھی۔ جلسہ کے ختم پر عصرانہ کا انتظام تھا۔ صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک چھوٹے سے شامیانہ کے نیچے جامعہ کے وائس چانسلر مجیب صاحب اور دو چار اور معزز مہمانوں کے ساتھ چائے نوشی سے فارغ ہو کر جب اپنے پرانے دوستوں، رفقائے کار اور ہم چشموں کے ساتھ میل ملاقات کی غرض سے مجمع عام میں داخل ہوئے تو عبدالباقی مرحوم میرے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ ذاکر صاحب نے پہلے مجھ سے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی۔ پھر باقی صاحب کی طرف فرشتوں کی سی معصوم مسکراہٹ کے ساتھ متوجہ ہوئے، مصافحہ کیا اور دریافت فرمایا "کہیے باقی صاحب! آج کل آپ کیا کر رہے ہیں"۔ باقی صاحب ایک نیم خنداں کیفیت کے ساتھ بولے "ایک ہفت روزہ اخبار نکال رہا ہوں، "کاروانِ وطن" اس کا نام ہے"۔ سن کر ذاکر صاحب آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مجمع منتشر ہو گیا اور سب اپنی اپنی راہ چل پڑے۔ اُس وقت خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ باقی صاحب سے آخری بازدید اور ملاقات ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہاں تو ادھر تیس بتیس برس سے مرحوم سے جان پہچان کچھ واجبی سی رہ گئی تھی ورنہ اس سے قبل جبکہ وہ نئے نئے میدانِ صحافت میں اترے تھے ہم دونوں اور تیسرے عبدالوحید صدیقی

© rasailojaraid.com

آج کل اردو ڈائجسٹ "ہما" کے منیجنگ پروپرائٹر ہیں۔ ایک دوسرے کے خصوصی دوست اور ہم پیالہ وہم نوالہ ساتھی تھے عبدالباقی وطناً بہاری تھے۔ میرے نزدیک چہرہ پر ملاحت اور بھولا پن اور طبیعت میں جودت وذہانت بہار کے لوگوں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ عبدالباقی کو بھی ان سے حصہ وافر ملا تھا۔ اگرچہ جسمانی قوت بھی بحمد اللہ وافر تھی لیکن اس کے باوجود یہ شخص ذہانت اور طباعی کا پتلا تھا اور کام کرنے پر جب آجاتا تھا تو ایک ہی نشست کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا گھنٹوں مسلسل کام کرتا رہتا تھا۔ تعلیم تمام تر جامعہ ملیہ میں پائی تھی اور اسی لیے نام کے ساتھ بی، اے (جامعی) لکھتے تھے، جامعہ نے اچھے اچھے اربابِ قلم پیدا کیے ہیں، لیکن عبدالباقی اُن چند اربابِ قلم میں سے تھے جو جامعہ کی قبائے افتخار کا تکمۂ زریں کہے جا سکتے ہیں۔ یوں تو انگریزی میں بھی لکھتے لکھاتے تھے۔ لیکن اردو میں ان کا ایک خاص رنگ اور اسلوب تھا۔ منطقی استدلال معلومات کی فراوانی اور حسنِ ترتیب کے ساتھ عبارت اس درجہ پرزور ولولہ انگیز، شگفتہ اور بیساختہ ہوتی تھی کہ لوگ پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ مرحوم نے صحافتی تربیت لاہور میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ اور یہیں سے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ یہ اُس عہد میمنت مہد کی بات ہے جبکہ میں جان دادۂ دلفریبیٔ لاہور رہتا تھا۔ سال بھر میں ایک مرتبہ پندرہ بیس دن کے لیے یہاں آنا تو لازمی تھا ہی۔ اس کے علاوہ ذرا سا کوئی بہانہ ڈھونڈھا کوئی موقع ہوا اور لاہور پہنچا۔ خواہ چند گھنٹوں کے لیے ہی ہو۔ پھر یہ ناممکن تھا کہ کسی دن میں لاہور میں ہوں اور عصر کے بعد نگینہ بیکری میں احباب کے ساتھ چائے پی کر سیر وتفریح کے لیے لارنس گارڈن نہ جاؤں۔ انھیں دنوں میں عبدالباقی سے ملاقات ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ ملاقات گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ یہیں میں نے ان کا وہ زمانہ دیکھا جبکہ "زمیندار" کی ادارت سے سبکدوش ہو کر انھوں نے اپنا روزنامہ "آزاد" نکالا ہے تو معلوم ہوتا تھا کہ اخبار نویسی کی دنیا میں ایک بھونچال سا آگیا ہے۔ "زمیندار" اور "انقلاب" پنجاب کی فضا پر چھائے ہوئے تھے اور ظفر علی خاں اگرچہ بوڑھے ہو چلے تھے، لیکن قلم میں جوانی کے کس بل اب بھی موجود تھے۔ پھر غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کے نام کا طوطی الگ بول رہا تھا۔ بایں ہمہ عبدالباقی کا "آزاد" کچھ اس طنطنہ اور طمطراق کے ساتھ نکلا کہ [illegible] اور بڑے بڑے چراغوں کی روشنی مدھم پڑنے لگی۔ لیکن "آزاد" جس شدت و حدت کے ساتھ چمکا تھا اتنا ہی شعلۂ مستعجل ثابت ہوا۔ اور جلد ہی بند ہو گیا۔ اب کسی نے کہا کہ نظم بہت ناقص تھا، آمد وخرچ میں توازن قائم نہیں رکھ سکا، کوئی بولا مالیہ میں غبن واقع ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کسی کسی کی زبان سے یہ بھی نکلا کہ لاہور کی پنجابی ٹولی جو اس سے پہلے سالک اور ساغر کو نہ چھوڑ سکی تھی عبدالباقی اور اس کے آزاد کو بھی برداشت نہ کر سکی اور سازش کر کے اخبار کو بند کرا کے ہی دم لیا۔ بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں، اصل حقیقت کیا تھی ؟ واللہ اعلم و علمہٗ اتم۔

اب آزاد کیا بند ہوا، عبدالباقی پر لاہور کی زمین ہی تنگ ہو گئی، انھوں نے اب دہلی میں ڈیرا ڈالا۔ جہاں وہ ایک پناہ گزین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ میں نے ان کا یہ دور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ عسرت اور تہیدستی کا یہ عالم تھا کہ خدا کی پناہ ! نہ پیٹ بھرنے کو آذوقہ اور نہ سر چھپانے کو مکان ؛ وہ تھے اور ایک ان کی بیوی اور دس بارہ برس کا شاید ان کا بھتیجہ عبدالمقیت نام احقر اور مرحوم کے ایک مشترک دوست کا گھر ان کا پناہ گاہ تھا۔ اس کے بعد میرا ان کا ساتھ نہیں رہا اس لیے تفصیلاً نہیں بتا سکتا کہ کہاں کہاں رہے اور کیا کیا کرتے رہے۔ البتہ اجمالاً اسی قدر معلوم ہے کہ انھوں نے کچھ دنوں کے لیے بہار میں سرکاری نوکری بھی کر لی تھی۔ لیکن زندگی کا عام ڈھنگ یہ ہی بن گیا تھا کہ اجرت پہ اخباروں اور رسالوں کے لیے مضامین لکھتے تھے۔ اُردو میں اور انگریزی میں بھی۔ کبھی کبھی اپنا اخبار بھی نکال لیتے تھے۔ کبھی کسی اخبار یا رسالے سے ملازمت کا تعلق بھی پیدا کر لیتے تھے۔ اپنے خیالات میں بڑے سخت تھے لیکن طبیعت میں تلون اور عدم استقلال تھا۔ اس لیے جم کر کسی ایک جگہ بھی نہیں رہے۔ پھر مزاج اس درجہ قلندرانہ اور غم فردا سے بے نیاز تھا کہ جو کچھ ملا اُڑا دیا۔ خود کھانے اور کھلانے کے حد درجہ شوقین تھے۔ کل کیا ہوگا؟ اس کی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے معاشی اعتبار سے ہمیشہ پریشان حال رہے۔

عبدالباقی اس درجہ کے صحافی، ادیب اور نقاد تھے کہ اگر وہ پاکستان میں ہوتے یا یہاں رہ کر ہندی میں لکھتے ہوتے یا انگلینڈ کے کسی اخبار سے منسلک ہو کر انگریزی میں ہی لکھتے تو مالا مال ہو جاتے ان کے پاس ایک بلڈنگ بھی ہوتی اور موٹر کار بھی۔ لیکن بدقسمتی سے اُن کا یہاں تعلق اُردو اخبار نویسوں کے اُس بدنصیب اور قابلِ رحم طبقہ سے تھا جو ہزار ہا ہزار صفحات لکھ کر ادب و انشاء، سیاست و مذہب، علم و فن اور طنز و مزاح کے چمن میں نئے نئے پھول کھلا سکتا ہے لیکن نہ تاریخِ ادب اُردو میں اُن کا تذکرہ ہوتا ہے۔ نہ ان کے مضامین کا انتخاب کہیں چھپتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ سماج میں ان کو وہ مقام ملتا ہے جو ایک لیڈر کے لیے مخصوص ہے۔ جب تک ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں اور دماغ کام کرنے کے قابل ہے لوگ ان کے مضامین پڑھتے اور واہ واہ کرتے ہیں۔ لیکن ادھر اخبار ردّی خریدنے والے کے نذر ہوجاتے ہیں اور اُدھر جب اُن پر بڑھاپا آیا اور از کار رفتہ ہوگئے پھر کوئی ان کو اور ان کے بچوں کو پوچھتا بھی نہیں۔ اور ان کے پاس اتنا اندوختہ اور پس انداز ہوتا نہیں کہ اس کے سہارے زندگی کے یہ دن بتادیں غرض کہ یہ وہ مظلوم طبقہ ہے جو اپنی جوانی اور صحت کو قوم کی خاطر لٹادینے کے باوجود محروم کا محروم رہتا ہے۔ نہ اسے جاہ کے دوام ملتی ہے اور نہ معاشی رفاہیت اسے نصیب ہوتی ہے سرمایہ دار اس کی محنت سے سونے اور چاندی سے کھیلتے ہیں اور اس کے لیے بڑھاپے میں جوانی کے ماتم کے سوا کوئی اور مشغلہ نہیں ہوتا۔

بریشم قبا خواجہ از محنت او
نصیب تنش جامۂ تار تار رے

عبدالباقی اسی بدنصیب طبقہ کا ایک فرد تھا، وہ دنیا سے رخصت ہوگیا اور کون کہہ سکتا ہے کہ کیسی کیسی حسرتیں، تمنائیں اور آرزوئیں اپنے ساتھ لے گیا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ندوۃ المصنفین دہلی کی جدید مطبوعات

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔ مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری ۔ قیمت مجلد نو روپے

ترجمان السنۃ جلد چہارم ۔ حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔ قیمت مجلد سولہ روپے

تفسیر مظہری اُردو جلد ششم ۔ ترجمہ مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی ۔ قیمت مجلد پندرہ روپے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اُن کی فقہ ۔ حنیف ندوی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

ندوۃ المصنفین ۔ اُردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com